اہمیت کی وجہ

غیر اجتماعی زندگی کے خوف ناک نتیجے

اجتماعیت، اسلام کو کچھ ایسی ہی مطلوب ہے جیسا کہ پانی مچھلی کو مطلوب ہوا کرتا ہے۔ یہ ہے وہ حقیقت جو پچھلی بحثوں سے روشنی میں آئی ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ ایسا کیوں ہے؟ آخر اسلام نے اجتماعیت کو ایسی غیر معمولی اہمیت کس وجہ سے دے رکھی ہے؟ وہ اپنے پیروؤں کو جماعتی زندگی بسر کرانے پر اس قدر مُصر کیوں ہے؟ وہ ایک منظّم سیاسی نظام کے قیام کو ضروری کیوں ٹھیراتا ہے؟ وہ اس نظام کے سربراہ کی اطاعت کو اللہ و رسولؐ کی اطاعت، اور اس کی نافرمانی کو اللہ و رسولؐ کی نافرمانی کیوں قرار دیتا ہے؟ وہ 'الجماعۃ' سے بالشت بھر بھی علیحدگی اختیار کر لینے والے کی گردن سے اپنا حلقہ کیوں نکال لیتا، اور ملی اتحاد میں شگاف ڈالنے والے پر سے اپنی امان کیوں اٹھا لیتا ہے؟ وہ بیعتِ خلافت سے محروم مر جانے والے کی موت کو جاہلیت کی موت کیوں کہتا ہے؟ ——— اس غور و فکر اور اس تحقیق کی ضرورت بالکل کھلی ہوئی ہے۔ اس طرح کے اہم مسائل میں عام انسانی ذہن صرف ''کیا ہے؟'' کے جواب پر کبھی مطمئن نہیں ہو جایا کرتا۔ اسے اطمینان اسی وقت ہوا کرتا ہے جب وہ یہ بھی جان لے کہ ایسا کیوں ہے؟ اس لیے یہ حقیقت اگرچہ اپنی جگہ بالکل واضح اور روشن سہی، مگر ذہنوں میں اپنا صحیح مقام پا سکنے کے لیے اس بات کا شدید مطالبہ کرتی ہے کہ اس کے اسباب و مصالح بھی سامنے آ جائیں۔

اس سلسلے میں اتنی بات تو بالکل صاف اور قطعی سمجھنی چاہیے کہ 'اجتماعیت' اسلام کی غرض و غایت پوری کرنے میں کوئی بڑا ہی خاص حصہ لیتی، اور دین و ایمان کے مفادات کی کوئی اہم ترین خدمت انجام دیتی ہے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اسے اتنی غیر معمولی اہمیت ہرگز نہ دیتا۔ اس لیے سوچنے اور معلوم کرنے کی بات دراصل صرف یہ ہے کہ وہ اسلام کی غرض و غایت پوری کرنے میں

کس طرح حصہ لیتی ہے اور دین وایمان کے مفادات کی کیا خدمت انجام دیتی ہے؟ اس تحقیق کے لیے جب ہم اسلامی مآخذ کی طرف رجوع کرتے ہیں جیسا کہ لازماً کرنا ہی چاہیے، تو ہمیں اس سوال کا جواب ملتا ہے:

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ مِنَ الْغَنَمِ الْقَاصِيَةَ۔ (ابوداؤد)

''جماعت سے چمٹے رہو، کیونکہ بھیڑیا اس بکری کو کھا جاتا ہے جو دُور نکل جاتی ہے۔''

اَلشَّيْطَانُ ذِئْبُ الْإِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاذَّةَ وَالْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ.

(مسند احمد بحوالہ مشکوٰۃ)

''شیطان انسان کا بھیڑیا ہے، جس طرح کہ بکریوں کے لیے (یہ معروف) بھیڑیا ہوا کرتا ہے، یہ بھیڑیا اس بکری کو پکڑتا ہے جو الگ جا بھاگتی، یا دُور نکل جاتی یا کسی طرف علیحدہ ہو رہتی ہے۔''

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ أَبْعَدُ۔ (ترمذی جلد دوم، کتاب الفتن)

''الجماعۃ'' کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو، اور پھوٹ کے قریب بھی نہ پھٹکو کیونکہ شیطان اکیلے شخص کے ساتھ ہوتا ہے جب کہ دو سے بہت دُور ہوتا ہے۔''

یعنی اجتماعی شیرازے سے اپنے کو وابستہ رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ ایمانی زندگی کی ٹھیک ٹھیک حفاظت اسی طرح ہو سکتی ہے۔ اگر یہ اجتماعیت موجود نہ ہو تو مسلمان کے دین وایمان کی خیر نہیں رہ جاتی۔ کیونکہ اس شکل میں وہ گویا شیطان کی کمین گاہ میں ہوتا ہے، جہاں وہ اسے بڑی آسانی سے مار لے سکتا ہے۔ جب کہ ملی اجتماعیت ایسی آہنی پناہ گاہ ہے جس کے اندر گھس آنا اور گھس کر کسی صاحب ایمان کو شکار کر لینا اس کے لیے آسان نہیں رہا کرتا۔

یہ جواب، جو ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے ہمیں ملتا ہے، اگرچہ مجمل ہے، مگر سوال زیر بحث کے حل کے لیے بالکل کافی ہے۔ کیونکہ اس کا یہ اجمال ایسا نہیں ہے جس کی تفصیل خود ایک مسئلہ بن جاتی ہو، بلکہ ایسا اجمال ہے جس کی وضاحت کے لیے دین کا پورا فلسفہ،

شریعت کا پورا نظام اور ملت کی پوری تاریخ موجود ہے۔اس فلسفے،اس نظام اور اس تاریخ کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اسلام کی مطلوبہ اجتماعیت کا نہ ہونا مسلمان کے دین وایمان کو ایک دو نہیں، تین تین جہتوں سے شدید ترین خطرے میں ڈال دیتا ہے:

(۱) ماحول کی باطل نوازی

سب سے پہلی بات تو یہ کہ اسلامی اجتماعیت سے محروم ماحول غلط افکار، اعمال اور اقدار کے لیے نسبتاً زیادہ سازگار اور صالح افکار، اعمال اور اقدار کے حق میں بہت کچھ ناسازگار رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے ممکن حدود کے اندر بھی تقویٰ اور دین داری کی راہ چلنا آسان نہیں رہ جاتا۔ یہ ایک بہت ہی واضح حقیقت ہے، جس کے سلسلے میں نہ کسی شرح کی ضرورت ہے نہ کسی دلیل کی۔ معمولی غور وفکر سے بھی یہ بات سمجھ لی جاسکتی ہے کہ جہاں اسلام کی مطلوبہ اجتماعیت موجود نہ ہوگی وہاں اسلام کے مطلوبہ افکار و اعمال اور اخلاق و اقدار کے لیے فضا سازگار نہ رہ جائے گی۔ اسلامی اجتماعیت کا مطلب آخر ہے کیا؟ یہی تو نہ کہ ایک ایسا متحد اور منظم معاشرہ قائم ہو جس کی شیرازہ بندی اللہ کی رسی سے ہوئی ہو، جس کی سب سے نمایاں خصوصیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو، جس کا فرد فرد خود ہی بھلا بننے کو کافی نہ سمجھتا ہو بلکہ دوسروں کو بھی بھلا بنانے کی کوشش کرتے رہنا اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہو، جس کی عام فضا گمراہیوں اور برائیوں کے محرکات سے پاک ہو، جس میں خدا ترسی ہی عزت کا معیار ہو، اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا ہی جس کا خاص امتیاز ہو۔ واضح بات ہے کہ ایسے معاشرے میں ایک صاحب احساس مسلمان کے لیے نیک بننا آسان اور برا بننا مشکل ہوگا۔ کہنا چاہیے کہ اس کے لیے مسلمان بن کو رہنا ہموار زمین پر چلنے کے ہم معنی ہوگا۔ حتیٰ کہ جس کی ایمانی اور اخلاقی حس تیسرے درجے کی ہوگی، وہ بھی برائیوں سے فی الجملہ محفوظ ہی رہے گا۔ کیونکہ یہ ماحول اسے برابر نیکیوں کی طرف مائل کرتا اور برائیوں سے نفرت دلاتا رہے گا۔ جس کا نتیجہ فطری طور پر یہی ہوگا کہ اس کے فکر وعمل پر خدا ترسی اور خیر پسندی کا ذوق غالب رہے گا ـــــــ اس کے بالمقابل اسلامی اجتماعیت کی

ناموجودگی کا مطلب ہے ایک ایسا ماحول جہاں مسلمان تو ہوں مگر ان کا کوئی معاشرہ نہ ہو، اور اگر معاشرہ ہو بھی تو ایسا ہو جس کا نہ کوئی شیرازہ ہو نہ کوئی اجتماعی نظم ہو، اور اگر شیرازہ اور اجتماعی نظم بھی ہو تو وہ قرآنی اور اسلامی نہ ہو۔ کوئی شک نہیں کہ یہ ماحول صحیح معنوں میں 'معروف' پسند اور 'منکر' بیزار ہرگز نہ ہوگا۔ یہاں اسلامی قدروں کی بالادستی قائم نہ ہوگی۔ یہاں ہر طرف باطل پسندی کے محرکات پھیلے ہوں گے۔ ایسی حالت میں قدرتی طور پر ایک عام مسلمان کے لیے نیک بننا بہت مشکل اور بُرا بننا بہت آسان ہوگا، یہاں اس کے لیے مسلمان بن کر رہنا کسی ہموار زمین پر چلنا نہیں بلکہ کھڑی پہاڑی پر چڑھنا ہوگا۔ جس کا نتیجہ یہی نکل سکتا ہے کہ مسلمان بحیثیت مجموعی خدا ترسی اور خیر پسندی کے ذوق سے دُور ہوتے رہیں گے۔

(۲) اتباع دین کا لازمی نقص

دوسری بات یہ کہ ایسے ماحول اور معاشرے میں مسلمان عملی طور پر ایک خاص حد تک تو اسلام سے لازماً بے تعلق ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ حقیقت بھی کسی ایسے شخص کی نگاہوں سے چھپی نہیں رہ سکتی جو یہ جانتا ہو کہ اسلام کیا ہے، اور مسلمان اس زمین پر کس لیے بھیجا گیا ہے؟ دین کے پورے نظام پر ایک نظر دوڑا جائیے تو صاف دکھائی دے گا کہ اسلامی اجتماعیت کے موجود نہ ہونے کی شکل میں مسلمان عملاً ذیل کے متعدد پہلوؤں سے اسلام سے بے تعلق ہو کر رہ جاتا ہے:

(الف) سب سے اہم چیز تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق پوری طرح ادا نہیں کرتے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ اس کی بندگی کے کتنے ہی اہم ترین مطالبات کو پورا کرنے کی پوزیشن ہی میں نہیں ہوتا۔ اس کے دین کی شہادت اور اقامت سے زیادہ بڑا اور اہم فریضہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ یہ تو وہ فریضہ ہے جو مسلمان کے وجود کی کل غایت ہے۔ اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب عمل اللہ کی نگاہ میں اور کیا ہوگا، جسے حدیث میں صراحتاً سب سے افضل عمل فرمایا گیا ہے اور جس کے اشتیاق سے خالی رہنے والے سینے کو نفاق کا مریض قرار دیا گیا ہے۔ اجتماعی زندگی سے محروم رہ کر کیا ان فرائض سے عہدہ برآ ہونے کی کوئی شکل ممکن بھی ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں، اور بالکل

نہیں۔ اچھا ان امور کو بھی چھوڑیے، اور ان احکامِ دین کو لیجیے جن کے 'عبادت' اور 'حقوق اللہ' ہونے میں الفاظ کی حد تک بھی دو رائیں نہیں ہوسکتیں۔ یہ نماز، یہ زکوٰۃ اور یہ حج بھی تو اجتماعیت کے بغیر اس معیاری شکل میں ادا نہیں ہوسکتے جس شکل میں اللہ و رسولؐ ان کو ادا ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان ساری حقیقتوں کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے کہ اسلام کی مطلوبہ اجتماعیت تو موجود نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے حقوق تلف ہونے سے بچ جائیں؟

(ب) یہی حشر بندوں کے حقوق کا بھی ہوتا ہے۔ کسی دکھیارے کی مدد، کسی بے کس کی خبر گیری، کسی مظلوم کی فریادرسی، کسی مریض کی عیادت، کسی جنازے کی شرکت، غرض عام طور سے ایک مسلمان پر دوسرے بندگانِ خدا کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں، اجتماعی زندگی کے بغیر ان کے ادا ہوسکنے کے پورے مواقع کسی طرح باقی نہ رہ جائیں گے، اور اس کی زندگی اس اجتماعیت سے جتنی ہی زیادہ دُور ہوگی اتنے ہی زیادہ یہ مواقع بھی کم ہو رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر یہ دُوری کامل علیحدگی اور تنہائی کی حد کو پہنچی ہوئی ہو تو یہ مواقع سرے سے ناپید ہو جائیں گے۔

(ج) اخلاقیات کا حال بھی کچھ مختلف نہیں رہتا۔ دین میں اچھے اخلاق کی جو اہمیت ہے وہ کچھ ڈھکی چھپی نہیں۔ ایک طرح سے گویا وہی حاصل دین ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا ہے کہ "مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے تا کہ میں محاسنِ اخلاق کی تکمیل کردوں" (بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ، موطا)۔ لیکن اتنی اہم چیز بھی غیر اجتماعی زندگی میں اپنے ظہور کے لیے ترستی رہ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ جہاں یہ غیر اجتماعی زندگی اپنی آخری شکل یعنی تنہائی کا رنگ اختیار کرلیتی ہے وہاں راست بازی، امانت داری، پاک دامنی، حیا، وفائے عہد، رحم، شفقت، خیر خواہی، ایثار، صبر، تحمل، سنجیدگی، نرم خوئی، خوش گفتاری اور فراخ دلی جیسے بے شمار انسانی فضائل، اسلامی اخلاق اور ایمانی اوصاف عملاً مجرد تصورات بن کر رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ ان چیزوں کا تعلق تمام تر انسانوں کے باہمی روابط اور معاملات سے ہوتا ہے۔ معروف معنوں میں 'اخلاق' کہتے ہی اس رویے کو ہیں جو ایک انسان دوسرے انسان کے، یا ایک گروہ دوسرے گروہ کے ساتھ اختیار کرتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص

کسی ایسے مقام پر جا رہتا ہو جہاں اس کا کسی اور شخص سے سابقہ ہی نہ پیش آتا ہو تو وہاں وہ آخر کس طرح ان دینی مطالبات پر عمل کر سکے گا؟ اسی طرح جہاں کوئی منظم معاشرہ اور اس کا مکمل اجتماعی نظم ہی موجود نہ ہو وہاں کون سی چیز ہوگی جو مسلمان سے اسلام کی اجتماعی اور بین الاقوامی اخلاقیات کا مظاہرہ کرا سکے گی؟

(د) جہاں تک مسلمان کی عام تمدنی اور سماجی زندگی کا تعلق ہے، اُس پر تو اس صورتِ حال کا بڑا ہی گہرا اور غیر معمولی مخالفانہ اثر پڑتا ہے، کیونکہ ایسی حالت میں اس زندگی کے مختلف شعبوں سے اسلام تو رخصت ہو ہی رہتا ہے ساتھ کے ساتھ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہاں اسلام کی جگہ کفر آ موجود ہوتا ہے۔ یہ ایک جانی بوجھی بلکہ آنکھوں دیکھی حقیقت ہے۔ ظاہر بات ہے کہ مسلمان اگر کسی غار میں جا کر گوشہ نشین نہیں ہو گیا ہے، بلکہ انھی بستیوں اور آبادیوں میں رہتا سہتا ہے تو اسلام کی مطلوبہ اجتماعیت کے موجود نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لازماً ایک غیر اسلامی نظام کے تحت زندگی گزار رہا ہے، اور کسی غیر اسلامی نظام کے تحت زندگی گزارنے کے معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ مسلمان کی زندگی، کم از کم بڑے اجتماعی معاملات میں تو یقیناً، غیر اسلامی خطوط ہی پر بسر ہو رہی ہے، بلکہ یہ کہنا بھی خلافِ واقعہ نہ ہوگا کہ اس کے شخصی قوانین (پرسنل لاز) کی حرمت بھی پوری طرح برقرار رہ جانے والی نہیں۔

ان سارے پہلوؤں سے، اور اس حد تک، اسلام سے عملی بے تعلقی کوئی معمولی بات نہیں ہو سکتی، نہ اس صورتِ حال کی تعبیر کے لیے ''ایک خاص حد تک اسلام سے بے تعلقی'' اور ''اتباعِ دین کے بھاری نقص'' کے لفظوں کو آپ سخت الفاظ کہہ سکتے ہیں۔ شارع علیہ السلام نے عورتوں کو ''نَاقِصَاتُ دِيْنٍ'' (ناقص اور ادھورے دین والیاں) فرمایا ہے، وجہ اس کی یہ بتائی ہے کہ:

''جب اسے حیض آتا ہے تو نہ نماز پڑھ سکتی ہے نہ روزے رکھ سکتی ہے۔''

اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ...... فَذَالِکَ نُقْصَانُ دِيْنِهَا. (بخاری، کتاب الحیض)

غور کیجیے، اگر ہر ماہ چند روز کی یہ حالت، کہ عورت نماز نہیں پڑھ سکتی اور روزے نہیں رکھ سکتی،

اس کے دین کے ناقص ہونے کی دلیل ہے تو پوری پوری زندگیوں کی یہ حالت کہ مسلمان اسلام کے اتنے اہم اور گوناگوں قسم کے احکام پر بالکل عمل نہیں کر سکتے، ان کے دین کا کیا درجہ ٹھیرائے گی؟ خصوصاً اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ عورت کی مذکورہ حالت اس کی ایک طبعی، پیدائشی اور بالکلیہ جبری حالت ہے، جسے پیش نہ آنے دینا، یا پیش آ جانے کے بعد اپنی کوششوں سے ختم کر دینا اس کے اختیار سے قطعی باہر ہے، اور اسی وجہ سے اس کے سلسلے میں اس پر کسی طرح کی کوئی ذمہ داری بھی نہیں آتی.......... جب کہ اجتماعی زندگی سے الگ یا محروم رہنے والے مسلمانوں کی حالت طبعی اور پیدائشی تو کیا ہوگی، اس طرح کی جبری بھی ہرگز نہیں ہوتی۔ بلکہ بسا اوقات تو اس کے پیدا کرنے یا باقی رکھنے کے وہ خود ہی ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ایسی شکل میں کیا یہ ممکن ہے کہ اس حالت کی موجودگی میں ان کے دین کو 'ناقص' نہ کہا جائے؟ اور کیا یہ غلط بات ہوگی کہ انھیں ان احکام دین کی حد تک، جن پر وہ غیر اجتماعی اور غیر منظم زندگی بسر کرنے کے باعث عمل نہیں کر سکتے، دین سے بے تعلق قرار دیا جائے؟ انصاف تو یہ فیصلہ دینے پر مصر ہے کہ ان کے دین کو ناقص ہی نہیں بلکہ 'ناقص تر' قرار دیا جائے، اور انھیں ''ایک خاص حد تک دین سے بے تعلق'' ہی نہیں بلکہ اکثر حالات میں قابلِ مواخذہ بھی سمجھا جائے۔

(۳) دینی حس کا پیہم زوال

غیر اجتماعی زندگی میں تیسری آفت یہ آتی ہے کہ دینی حس اور ایمانی حمیت پر باطل مسلسل چوٹیں لگاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اسے بے جان کر کے رکھ دیتا ہے۔ باطل کو یہ بھرپور موقع اس اقتدار کی بدولت مل جاتا ہے جو اسے اسلامی اجتماعیت سے محروم مسلمانوں پر حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا، اسلام کی مطلوبہ اجتماعیت اور اجتماعی نظم کے موجود نہ ہونے کے لازمی معنی بالعموم یہی ہوتے ہیں کہ مسلمان کی زندگی ایک غیر اسلامی نظام کے تحت بسر ہو رہی ہے، یعنی ایک ایسے نظام کے تحت، جس میں زندگی کا عام اجتماعی کاروبار کافرانہ بنیادوں پر چلتا ہو، جس میں انسانی خلافت کا تصور بنیادی طور پر ایک غیر آئینی تصور ہو، جس میں اخلاق کی اجتماعی قدریں

کتاب الٰہی اور سنتِ رسولؐ سے نہیں بلکہ کسی اور ہی سر چشمے سے اخذ کی گئی ہوں، جس میں وسیع تر اجتماعی معاملات کے اندر اسلام کو مسلمانوں کی رہنمائی کرنے کا کوئی حق نہ ہو، جس میں 'معروفات' اور 'منکرات' کے تعین میں شریعت کا فیصلہ کوئی آخری فیصلہ نہ ہو، اور اسلام کے کتنے ہی معروف منکر اور منکر معروف بنا دیے گئے ہوں، جس میں انسانی اور بین الاقوامی تعلقات کی بنیادیں عدل و انصاف اور تعاون علی البر کے اسلامی اصولوں کے بجائے کسی قوم، کسی نسل، کسی وطن، کسی طبقے یا کسی 'ازم' کے مادی مفادات پر اٹھائی گئی ہوں، جس میں عدالتیں شرعی قوانین ہی کے مطابق فیصلے کرنے کی مطلق پابند نہ ہوں، حتیٰ کہ جس میں مسلمان اپنے انفرادی معاملات میں بھی اسلامی احکام وضوابط پر عمل کرنے میں پوری طرح آزاد نہ ہوں —— اندازہ لگائیے کہ ایسے نظام اور ماحول میں ایک مسلمان کی نفسیات کا حال کیا ہوگا؟ ابتدا میں کیا رہے گا، اور آگے چل کر کیا ہو جائے گا؟ کوئی شک نہیں کہ اس صورت حال کو دیکھتے ہی اس کی ایمانی خودی تڑپ اٹھے گی، اس کا دَم گھٹنے لگے گا، وہ اپنے کو غلاظت کے گڑھے میں دھنسا ہوا پائے گا۔ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بڑے سے بڑا نفاست پسند بھی اگر کسی گندی اور بدبودار کوٹھری میں بند ہو کر رہ جائے تو بس ایک محدود مدت ہی تک اس پر ناگواری، بے چینی اور کرب کی کیفیت طاری رہے گی۔ پھر وقت جوں جوں گزرتا جائے گا اس کی یہ ناگواری اور بے چینی بھی ہلکی پڑتی جائے گی، یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا جب اس کی قوتِ شامہ وہاں کی عفونت سے مانوس ہو رہے گی، اور اب وہ صرف نظریے کی حد تک اس گندگی اور عفونت کو گھن کھانے کی چیز کہے گا، عملی طور پر اس سے کوئی گھن نہ کھائے گا۔ انسانی نفسیات کا جس شخص نے بھی تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہوگا وہ بالیقین اسی نتیجے پر پہنچا ہوگا۔ کہنا چاہیے کہ یہ بات علم النفس کے مسلمات میں سے ہے۔ ظاہر ہے کہ دین کے معاملے میں یہ نفسیاتی اصول بدل نہ جائے گا۔ آپ چاہیں تو لاکھوں کے گروہ میں سے کچھ افراد کو مستثنیٰ کر دیں، لیکن تجربے اور مشاہدے کی گواہی بتاتی ہے کہ ننانوے فی صد سے بھی بڑی اکثریت پر قطعاً اسی اصول کا اطلاق ہوگا۔ یعنی ہوگا یہ کہ جس وقت ملت اپنی اجتماعیت کھو کر یا اس کے بند ڈھیلے کر کے

کسی غیر اسلامی نظام کو اپنے اُوپر مسلط کرائے گی اس وقت تو اہل ایمان کو ایسا معلوم ہوگا جیسے بستر انگاروں کا الاؤ بن گئے ہیں۔ جیسے ان کے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، ہر طرف آبلے ڈال دینے والی گیس کے بم پر بم پھٹ رہے ہیں۔ اس صورت حال سے گھبرا کر وہ دُور نکل بھاگنے کے لیے چاروں طرف اپنی پریشان نگاہیں دوڑائیں گے، جوش اضطراب میں ہاتھ پاؤں بھی ہلائیں گے۔ مگر ظاہر ہے کہ جو نظام اور جو اقتدار زندگی کے اجتماعی درو بست پر قابض ہو چکا ہوگا، وہ اس ذہنی بغاوت سے متاثر ہو کر اپنا قبضہ اٹھا لینے سے رہا۔ وہ تو پوری مضبوطی اور عزم کے ساتھ بدستور اپنا سکہ چلاتا رہے گا، اور ملت کے مسلمان ہونے کے باوجود اس پر ان اقدار، ان مصالح، ان افکار، ان نظریات اور ان احکام و قوانین کے تحت حکومت کرتا رہے گا جن کا کہ اس کی نامسلمان فطرت اور اس کی سیاسی مصلحت تقاضا کرے گی۔ آخر کار آنکھیں آہستہ آہستہ اس صورت حال کی عادی ہونے لگیں گی، جذبات کی بے قراری اور ذہنی بغاوت پر تھکاوٹ اور پھر افسردگی طاری ہونے لگے گی، اضطراب، احساسِ غم کی سطح پر آجائے گا، اور بغاوت کی آگ حسرت کی راکھ میں تبدیل ہو جائے گی۔ پھر یہ دَور بھی ختم ہوگا، اور اب دینی حمیت سے دل خالی ہونے شروع ہوں گے، 'غیر اسلام' سے طبیعتیں مانوس ہونے لگیں گی، ذہنی اور جذباتی لڑائی صلح اور رواداری سے بدلنے لگے گی، اور غیر اسلام سے مسلمان کی کوئی عملی مخالفت باقی نہ رہ جائے گی۔ ہوتے ہوتے چوتھا اور آخری دَور آجائے گا، جب وہ غیر اسلام خوب بن جائے گا جو کبھی انتہائی ناخوب تھا۔ مسلمان اُس نظام اور اقتدار کو، جو اس کے دین کو دیس نکالا دے چکا ہے یا کم سے کم یہ کہ جس نے اُسے خانہ قید کر رکھا ہے، سلامیاں دے گا، اس کی بارگاہ میں عزت کا طالب ہوگا، اس کی چاکری میں فخر محسوس کرے گا، اس کی خیمہ برداری کا حق حاصل کرنے کے لیے دوڑ پڑے گا۔ وہ ''مسلمان'' ہوگا، مگر غیر اسلامی نظام کے خلاف زبان سے بھی کوئی اظہارِ ناگواری نہ کرے گا۔ انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے، اس کے احکام و مرضیات کے تحت ہی وہ اس دنیا کا نظام چلانے کا ذمہ دار ہے، وہی اس کا مقتدرِ اعلیٰ اور اصل قانون ساز ہے، اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے، دنیا اور آخرت دونوں کی

فلاح اسی نظام کی پیروی پر موقوف ہے ـــــــــ یہ اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے اونچے حقائق 'مذہبی' اجتماعات میں زیب داستان کے طور پر بیان ہوتے رہیں گے۔ مگر دنیا کے وسیع عملی میدان میں ملت اپنی زندگی کی گاڑی اُس 'ازم' کی پٹری پر رواں دواں چلاتی رہے گی جسے ملک کے غیر اسلامی نظام اور کافر اقتدار نے اپنا 'دین' بنا رکھا ہوگا۔ ملت کی موجودہ حالت اس حقیقت کا زندہ ثبوت بنی ہوئی ہمارے سامنے موجود ہی ہے، جس کے ہوتے ہوئے کسی نظری اور منطقی دلیل کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ واقعات کی اس واضح ترین گواہی کو ہوش کے کانوں سے سنیے اور اندازہ کیجیے کہ باطل اقتدار اور غیر اسلامی نظام، ایمانی حمیت اور دینی حس پر کس طرح کی چوٹیں لگا سکتا ہے، اور چوٹیں لگاتے لگاتے اس پر کیسی سکتے کی، بلکہ موت تک کی حالت طاری کر دیا کرتا ہے۔

اسلامی اجتماعیت سے محروم زندگی جس مسلمان کے دین و ایمان پر ایسے سخت حملے کرتی اور انھیں ایسے عظیم خطرات میں ڈال دیتی ہے، سوچیے بھلا وہ کب تک اور کس حد تک سچا مسلمان باقی رہ سکتا ہے؟ اس لیے ماننا پڑے گا کہ شیطان کی ہزار کوششوں پر اس کی یہ ایک کوشش بھاری ہے کہ مسلمان کو اجتماعی زندگی سے محروم کر دے۔ ایک ایک مسلمان کو اگر وہ الگ الگ شکار کرنا چاہے گا تو اسے اتنے ہی گڑھے کھودنے پڑیں گے جتنے کہ مسلمان ہوں گے۔ لیکن اگر وہ انتشار اور غیر اجتماعی زندگی کا گڑھا کھود لیتا ہے تو یہ اکیلا ایک ہی گڑھا ان کی بھاری اکثریت کے لیے کافی ہو جائے گا۔ اس لیے اگر 'جماعت' سے الگ یا محروم رہنے والوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کا بے بس اور آسان شکار فرمایا ہے تو یہ ایک ایسی تعبیر ہے جس سے بہتر تعبیر اس صورت حال کی اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔

اجتماعی زندگی کے بیش بہا ثمرات

غیر اجتماعی زندگی تو دین و ایمان کے لیے ایسے شدید خطرات پیدا کر دیتی اور مسلمان کو شیطان کا صیدِ زبوں بنا دیتی ہے، مگر اجتماعی زندگی ان کے لیے کیا ثابت ہوتی ہے، یہ جاننے کے لیے ہادیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنیے:

يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ. (ترمذی، جلد۲)

''اللہ کا ہاتھ 'جماعت' پر ہوتا ہے۔''

یعنی اجتماعی زندگی ہی وہ زندگی ہے جس میں مسلمان اللہ کی نوازشوں اور نصرتوں کے فی الواقع سزاوار بنتے ہیں۔

اگر یہاں بھی یہ سوال کیا جائے کہ ایسا کیوں ہے؟ تو اب یہ ایک غیر ضروری سوال ہوگا۔ کیونکہ غیر اجتماعی زندگی کے عملی نتائج اگر وہ سب کچھ ہیں، جن کا حال ہم ابھی جان چکے ہیں، تو اس کا مطلب واضح طور پر یہی ہے کہ اجتماعی زندگی کے ثمرات ٹھیک انھی کی ضد ہوں گے۔ اسلام کی مطلوبہ اجتماعیت سے جو معاشرہ بے بہرہ ہوتا ہے وہ اگر غلط افکار و اعمال کو پروان چڑھاتا اور صالح افکار و اعمال پر خزاں کی کیفیت طاری کر دیا کرتا ہے، جس کے نتیجے میں مسلمان کے لیے برو تقویٰ کی راہ دشوار سے دشوار ہوتی جاتی ہے، تو وہ معاشرہ، جو اس اجتماعیت سے بہرہ ور ہوگا، قطعاً ایک مختلف صورتِ حال کو وجود میں لائے گا، صالح افکار و اعمال کو پروان چڑھائے گا، باطل افکار و اعمال کو پنپنے سے روکے گا، نیک روی کی ترغیبیں دیتا رہے گا، جس کے نتیجے میں لوگوں کے قدم آپ سے آپ نیکی اور خدا ترسی کی طرف اٹھتے رہیں گے۔ اسی طرح اگر اس معاشرے میں مسلمان اپنے دین کی ناقص پیروی ہی کے لیے مجبور رہتا ہے تو اس میں اسے ایسی کسی کوفت بھری مجبوری سے کوئی سابقہ پیش نہ آئے گا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر اس کے اندر دینی حس اور ایمانی حمیت پر مسلسل ہتھوڑے چل رہے ہوتے ہیں تو اس کے اندر دین و ایمان کو ایسی کسی جان لیوا آفت کا سامنا بالکل نہ کرنا پڑے گا۔ مختصر یہ کہ اجتماعی زندگی وہ زندگی ہوتی ہے جس کے اندر مسلمان اپنے مولیٰ کی اطاعت و بندگی کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کر سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے چاہتا بھی صرف یہی ہے کہ اس کی طاعت اور بندگی کا حق ادا کیا جائے۔ یہی اس کا مطالبہ ہے، اور اسی میں اس کی رضا ہے۔ اس طرح حقیقتِ واقعی یہ قرار پائی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا پورا ہونا صحیح جماعتی زندگی پر موقوف ہے۔ پھر یہ جماعتی زندگی ہی اسے محبوب کیوں نہ ہوگی؟ اور جو زندگی اسے محبوب

ہوگی بدیہی بات ہے کہ اس کی رحمتوں، نوازشوں اور نصرتوں کا رُخ بھی اسی کی طرف ہوگا۔ معلوم ہوا کہ صحیح اجتماعی زندگی ہی میں دین وایمان کو پوری پوری نشوونما ملتی، اور مسلمان کی دنیوی واُخروی فلاح محفوظ رہتی ہے۔ سوچیے، کتنے بیش قیمت ہیں اجتماعی زندگی کے یہ ثمرات! اور کتنی ضروری ہے اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے یہ اجتماعی زندگی!!

گوشہ نشین بزرگوں کا مسئلہ

اس موقع پر واقعات کی بعض شہادتیں ذہن میں ایک الجھن پیدا کرسکتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اسے بھی دُور کرلیا جائے۔

'الجھن' یہ ہوسکتی ہے کہ کتنے ہی بزرگانِ دین ہیں، جن کی زندگیاں اس بات کی تائید نہیں کرتیں۔ اس کے بخلاف وہ اس امر کا ثبوت مہیا کرتی ہیں کہ جماعتی زندگی سے بالکل کٹ کر بھی بندگی اور خدا پرستی کا اُونچے سے اونچا مقام حاصل کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں نے ایسی ہی زندگی گزاری، لیکن اس کے باوجود شیطان ان کی طرف رُخ کرنے کی بھی جرأت نہ کرسکا، چہ جائیکہ انھیں شکار کرلیتا۔

اِس اُلجھن کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں شاید ہی کوئی کلیہ ایسا ہوگا جس میں استثنا نہ ہو۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں بات کا یہ نتیجہ نکلا کرتا ہے، تو اس کا مطلب عموماً یہ نہیں ہوا کرتا کہ کبھی اس کے سوا کوئی اور نتیجہ نکل ہی نہیں سکتا، بلکہ ایسا صرف غالب صورت حال کے پیش نظر کہا جاتا ہے، اور کہنے کا منشا یہ ہوتا ہے کہ عام طور سے ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ اس لیے جب یہ فرمایا گیا کہ جماعتی زندگی سے علیحدگی اختیار کرنے والے کو شیطان بڑی آسانی سے شکار کرلیتا ہے، تو یہ دراصل بیان حقائق کے اسی معروف اسلوب میں فرمایا گیا، اور مطلب اس کا یہ ہے کہ عموماً ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ جہاں واقعات اس امر کی شہادت دینے کو تیار ہیں کہ بعض افراد جماعتی زندگی چھوڑ کر بھی بڑے خداترس اور عابد وزاہد ہوگزرے ہیں، وہیں وہ اس حقیقت کی بھی منادی کرتے ہیں کہ ان 'بعض' افراد کے مقابلے میں لاکھوں افراد ایسے ہوئے ہیں جو اس جماعتی زندگی سے محروم ہوکر اپنے

دین کو ضروری حد میں بھی محفوظ نہ رکھ سکے، اور خدا کے مقابلے میں شیطان سے زیادہ قریب ہو رہے۔ اب مجموعی حیثیت سے دیکھیے کہ نفع اور نقصان کا میزانیہ کیا رہا؟ اور جماعتی زندگی کا وجود اور عدم وجود، دونوں اُمتِ مسلمہ کے حق میں اپنی اپنی جگہ کیا ثابت ہوئے؟

جہاں تک دین کے احکام اور ہدایات کا تعلق ہے، وہ عام انسانیت، عام حالات اور عام حقائق کو پیشِ نظر رکھ کر دیے گئے ہیں، نہ کہ مخصوص حالات اور مستثنیٰ افراد کو سامنے رکھ کر۔ اس لیے اجتماعی زندگی بسر کرنے کا جو حکم اس نے دیا ہے، عام انسانوں کے پیش نظر ہی دیا ہے، اور اس سلسلے میں اس نے جو کچھ فرمایا ہے، عام صورتِ حال کو سامنے رکھ ہی فرمایا ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب اس نے ایک بات فرمادی ہے تو اب وہ عوام اور خواص سبھی کے لیے واجب التسلیم ہو چکی ہے۔ کیونکہ شریعت کے احکام بلاتفریق سبھی کے لیے ہوتے ہیں، اور کوئی فرد بھی، چاہے وہ کیسے ہی مخصوص رجحانات یا قوتوں کا مالک کیوں نہ ہو، ان کی پیروی کی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ نہیں رہ سکتا۔

پھر یہ اعتراض یا شبہ اصلاً بھی غلط ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جماعتی زندگی سے کٹ کر بھی لوگوں نے خدا پرستی کے اونچے مقامات حاصل کیے ہیں۔ لیکن یہ بات جماعتی زندگی کی اہمیت اور افادیت کے خلاف کوئی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ یہ لوگ خدا پرستی کے جن اونچے مقامات پر پہنچے تھے، اجتماعی زندگی کے اندر وہ ان سے بھی زیادہ اونچے مقامات پر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس کے برخلاف امرِ حق یہ ہے کہ اگر صحیح اجتماعی زندگی کی اعانتیں اور برکتیں بھی ان بزرگوں کے شامل حال رہی ہوتیں تو وہ 'اسلامیت' کے اور زیادہ بلند مقاموں پر فائز ہو گئے ہوتے۔ تنہائی کے گوشوں میں وہ زیادہ سے زیادہ فرشتوں کے درجے تک پہنچ سکے ہوں گے، لیکن اسلامی اجتماعیت کے ہنگاموں میں رہ کر وہ ابوبکرؓ و عمرؓ ہو گزرے ہوتے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اجتماعی زندگی سے دُور رہ کر ایک شخص چاہے جو کچھ بھی بن جائے، لیکن معیاری طور پر وہ انسان نہیں بن سکتا جس کے سر پر اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت کا تاج رکھ کر اس دنیا میں بھیجا تھا، اور جسے فرشتوں کا بھی مسجود بنایا تھا۔

❋ ..... ❋ ..... ❋